© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

جماعت اسلامی کی عالمی مجلس کی مرکزی مجلسِ شوریٰ کا جو پہلا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا اُس میں ملک کی موجودہ صورتِ حال پر جس نپے تُلے انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے وہ اس ملک کے ہر بہی خواہ کے لیے اپنے اندر غور و فکر کا بہت سا سامان رکھتا ہے۔ آج ہم ان صفحات میں اسی تبصرہ کے بارے میں چند گزارشات پیش کریں گے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، امیرِ جماعتِ اسلامی پاکستان نے سیاسی صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اس ملک میں جو طبقے اسلامی نظام کی آمد کے مخالف رہے ہیں اور اس نظام کو اپنے لیے مہلک سمجھتے رہے ہیں اُن کے اندر تقسیم کے بعد ہی یہ احساس پیدا ہو گیا تھا کہ اگر یہاں جمہوری نظام قائم ہو گیا تو پھر یہاں اسلامی نظام کو قائم ہونے سے کوئی شے نہیں روک سکتی۔ چونکہ ملک کی عظیم اکثریت اسلام ہی چاہتی ہے اس لیے انہوں نے سمجھا کہ جمہوری نظام میں وہی لوگ منتخب ہو کر آئیں گے جو یہاں دینِ اسلام کو نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ تجربہ نے انہیں بتا دیا کہ ساری دھاندلیوں کے باوجود نہ ان لوگوں کو آنے سے روکا جا سکتا ہے اور نہ انتخاب میں ان کی تعداد کو بڑھنے سے روکا جا سکتا ہے۔ انہوں نے یہ اندازہ کر لیا کہ اس ملک میں اگر سیکولر نظام چلانا ہے تو اس کے لیے آمریت کے سوا اور کوئی راہ نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک اقلیت اگر کسی ملک میں اکثریت کی مرضی کے خلاف اپنی مرضی کا نظام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نافذ کرنا چاہیے تو اس کے لیے جمہوریت نہیں بلکہ آمریت ہی کا طریقہ زیادہ موزوں ہے"۔

اس اقلیت کو اکثریت پر مسلط کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُن لوگوں کی خدمات حاصل کی جائیں جو ملک کے نظم و نسق چلانے کے ذمّہ دار ہیں۔ چنانچہ ہمارے اس ملک میں یہی کچھ ہُوا کہ عوام کے ان خادموں کو جو قوم کے خزانے سے پُوری ملت کی خدمت کے صلے میں تنخواہ حاصل کرتے ہیں، ان کی پیٹھ ٹھونکی گئی اور انہیں شہ دی گئی کہ وہ جُوتے کے زور سے برسرِ اقتدار طبقے کی مرضی قوم پر ٹھونسنے کی کوشش کریں۔ اس صورتِ حال کے متعلق مولانا نے فرمایا:

"اگر سیاسی لیڈروں کے پیشِ نظر جمہوریت کا قیام ہوتا تو اس کا سیدھا اور صاف طریقہ یہ تھا کہ ملک کا دستور بلا تاخیر مرتب کیا جاتا اور اس کی بنیاد پر ملک میں عام انتخابات منعقد کرائے جاتے اور عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھ میں ملک کا نظام دے دیا جاتا لیکن یہ وہ لوگ تھے جنہیں محض اتفاقِ زمانہ سے اقتدار مل گیا تھا۔ انہوں نے سوچا کہ ہم قوم کی مرضی کے پابند کیوں بنیں۔ اپنی آمریت کیوں نہ قائم کریں اور اس ملک کو اپنی جاگیر بنا کر رکھیں۔ اس غرض کے لیے انہوں نے طے کیا کہ بیورو کریسی کو آلۂ کار بنا کر اُس کی مدد سے اپنے آپ کو قوم پر مسلط کیا جائے اور اسی کے ذریعے سے اپنی مرضی کے لوگوں کو انتخابات میں کامیاب کرایا جائے۔ اس کا پہلا موقع انہیں ۱۹۵۱ء میں ملا اور انہوں نے بیورو کریسی کی طاقت کو پوری طرح استعمال کر کے اپنے حسبِ منشا نمائندے منتخب کرائے۔ عوام کو اپنی مرضی کے نمائندے چُننے کا کوئی موقع انہوں نے نہ دیا۔"

سیاسی لیڈروں کا یہ طرزِ عمل ملک اور قوم کے لیے ہمیشہ بڑے افسوسناک بلکہ خوفناک نتائج کا حامل رہا ہے۔ اس کا پہلا اثر یہ پڑتا ہے کہ ملک کا نظم و نسق چلانے والے سیاسی کھیل میں براہِ راست شریک ہو جاتے ہیں اور اس طرح ان کی وہ غیر جانبدارانہ حیثیت قائم نہیں رہتی جو نظم و نسق کے قائم کرنے کے لیے اشد ضروری ہے۔ جب ملک کا انتظام اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انصرام کرنے والے خود ہی سیاسی دھڑے بندیوں کا شکار ہو جائیں تو اُن کی حیثیت لازمی طور پر ایک فریق کی سی بن جاتی ہے۔ پھر اُن کی قابلیتیں اور صلاحیتیں اپنے سرکاری فرائض کو دیانتداری کے ساتھ سرانجام دینے کی بجائے سیاسی جوڑ توڑ میں صرف ہونے لگتی ہیں۔ وہ کبھی ایک ٹولی کا آلۂ کار بن کر دوسری ٹولی کو گرانے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی دوسری ٹولی کا ساتھ دیکر پہلی کو زک پہنچانے کی تدبیریں سوچتے ہیں۔ اس طرح ملک کا پورا نظم و نسق درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔ ان کارندوں کی ساری تگ و تاز کا محور یہی ہوتا ہے کہ وہ کسی طرح اپنے محسن اور محبوب دھڑے اور اس کے مختلف کارکنوں کو ملک میں سیاسی تفوق حاصل کروانے میں کامیاب ہوں، کیونکہ ان کی بالادستی سے انہیں مختلف قسم کی ناجائز مراعات حاصل ہو سکتی ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر کوئی دوسرا دھڑا کامیاب ہو گیا تو پھر ان پر عرصۂ حیات تنگ ہونا شروع ہو گا اور وہ ناکردہ گناہوں کی پاداش میں دھر لیے جائیں گے۔

یہ افسوسناک صورتِ حال قوم کے ان خدمت گزاروں کو نہ صرف تعصب، خود غرضی اور پارٹی بازی جیسے مہلک امراض میں مبتلا کرتی ہے بلکہ اُن کے اندر وہ اطمینانِ قلب بھی پیدا نہیں ہونے پاتا ہے جو کسی اچھے اور مستند سرکاری کارکن کے لیے بنیادی صفت کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بیچارے کوئی قدم بھی عزم اور وثوق کے ساتھ نہیں اٹھا سکتے۔ اپنے محسنوں کے دھڑوں کو انتشار سے بچانے کے لیے اور اُن کے اقتدار کے حفظ و بقا کے لیے انہیں قدم قدم پر اپنے فیصلوں پر نظرِ ثانی کرنی پڑتی ہے۔ اُن کے سامنے ایک گروہ دوسرے پر ظلم ڈھاتا ہے لیکن یہ اپنی مخصوص مصلحتوں کی وجہ سے نہ صرف خاموش رہتے ہیں بلکہ اُس ظلم میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ چور، قاتل، اور عزت و آبرو کے لٹیرے بے خوف و خطر لوگوں کے جان و مال عفت و عصمت پر ہاتھ ڈالتے ہیں لیکن چونکہ اُن کا تعلق اپنے کرم فرماؤں کے کیمپ سے ہوتا ہے اس لیے اُن سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کی جاتی بلکہ بعض حالات میں تو اُلٹے انصاف کے طلبگاروں پر دستِ ظلم دراز کیا جاتا ہے۔ اس کے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملک میں جرائم کی رفتار تشویشناک حد تک بڑھ گئی ہے۔ چوری، اغوا، رہزنی، ڈاکہ، قتل و غارت، بلیک مارکیٹ، رشوت ستانی اور سمگلنگ کی وارداتیں ہمارو معاشرتی زندگی کا معمول بن چکی ہیں اور ان کی روک تھام کی کوئی تدبیر بھی کارگر ثابت نہیں ہوتی اور جب کبھی ان کے متعلق سنجیدگی سے غور کیا گیا تو اُس وقت بھی گروہی عصبیتیں آڑے آتی ہیں اور مختلف کمیشنوں اور کمیٹیوں کی تجاویز اور برسرِ اقتدار لوگوں کی یقین دہانیاں اور اُن کے بلند بانگ دعوے عملی زندگی میں کسی جہت سے بھی نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتے اور امن پسند شہریوں کے دلوں میں اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کے بارے میں جو خدشات اور خطرات موجود ہیں ان میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی بلکہ اُن کا خوف و ہراس مسلسل بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

جس ملک کے باشندوں کو اس بات کا خوف لاحق ہو کہ قانون کے محافظ اور نظم و نسق کے پاسباں اُن کی جان و مال کی حفاظت کرنے کی پوری قوت اور اہلیت نہیں رکھتے، وہ کبھی بھی اطمینان کی زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ کسی مملکت کے غریب شہریوں کو اگر ہر وقت جان کے لالے پڑے رہیں اور اُن کے دل میں یہ احساس جاگزیں ہو چکا ہو کہ اس ملک میں قانون محض امرا اور صاحبِ حیثیت لوگوں کے مفادات کی حفاظت کرنے کے لیے نافذ کیا گیا ہے غریبوں ناداروں اور بے کسوں کے لیے اس کی حیثیت خس و خاشاک سے بھی کم ہے، ان کے دل میں اگر مملکت اور اربابِ حکومت کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات موجزن ہو جائیں تو یہ کوئی بعید از قیاس بات نہیں۔

پھر اس معاملہ کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ریاست اور اربابِ حکومت کے درمیان جو بیّن فرق ہے عوام اُسے یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہمارے ملک میں چونکہ سیاسی شعور ابھی پختہ نہیں ہوا اس لیے اربابِ اقتدار کی طرف سے ہر قسم کے جبر، ناانصافی اور معاشی استحصال کو وہ سیاست کی عدمِ توجہی بلکہ اس کے جور و جفا پر محمول کرتے ہیں اور اصحابِ اقتدار کے مظالم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے خلاف جو احساس بیدار ہوتا ہے وہ بالآخر ملک و ملت سے بیزاری کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ خدا نہ کرے کہ ہمیں یہ منحوس دن دیکھنا پڑے۔

ممکن ہے کہ ایک پڑھے لکھے شخص کے نزدیک جس کا سیاسی شعور پختہ ہو چکا ہے محض آزادی کا تصور اپنے اندر کشش اور دلچسپی کا پورا سامان رکھتا ہو اور وہ اس کے تصور سے ہی اس کی قدر و قیمت پہچاننے میں نامیاب ہو جائے لیکن عوام الناس کا شعور اس قسم کی خیال آرائی کا متحمل نہیں ہوتا۔ اُن کے لیے یہ الفاظ اُسی صورت میں کچھ معنی خیز ہوتے ہیں جب اُن کے عملی مضمرات ظاہر ہونے لگیں گے۔ آزادی اپنے محسوس اور متعارف فوائد کے بغیر اُن کے لیے خواب پریشان سے زیادہ کچھ اہمیت نہیں رکھتی۔ یہ لفظ اُن کے لیے اُسی وقت قابلِ قدر ہے جب یہ اُن کے لیے قلبی سکون اور جسمانی راحت کا سامان فراہم کرنے کا ذریعہ ثابت ہو۔ صرف آقاؤں کی تبدیلی اُن کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ آزادی جب پیکرِ محسوس میں ڈھل کر لوگوں کے دل و دماغ کو مختلف قسم کی پریشانیوں اور اُن کے جسموں کو مختلف نوعیتوں کی تکلیفات سے بچاتی ہے تو پھر انہیں اس کی قدر و قیمت کا پوری طرح احساس ہونے لگتا ہے۔ اگر آزاد ہونے کے بعد وہ یہ محسوس کرنے لگیں کہ اُن کی دلی آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل ہو رہی ہے اور جس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی دی ہے وہ مقصد قریب آرہا ہے تو پھر انہیں اطمینان ہوتا ہے اور وہ ماضی کی ساری محرومیوں کو آہستہ آہستہ فراموش کر دیتے ہیں لیکن جب وہ دیکھتے ہیں کہ آزادی کے بعد اُن پر اُن کی خواہشات اور زندگی تنگ ہو رہی ہے۔ امنگوں کا خون ہو رہا ہے تو اُن کے سارے زخم پھر تازہ ہو جاتے ہیں اور اُن کے اندر اپنی ناکامی اور نامرادی بلکہ بربادی کا شدید احساس اُبھرتا ہے جو انہیں یاس و قنوطیت کی تصویر بنا دیتا ہے۔ انہیں اپنے آپ سے، اپنے ملک سے اور اپنی ملت سے کسی قسم کی دلچسپی اور وابستگی نہیں رہتی اور وہ مایوس ہو کر ہمت ہار دیتے ہیں۔ وہ جب یہ دیکھتے ہیں کہ آزادی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد اُن کی بگڑی نہیں بنی، وہ اُسی طرح ظلم و استبداد کا شکار ہیں جس طرح کہ پہلے تھے، بلکہ اس میں کچھ اضافہ بھی ہوا ہے، تو وہ پھر آزادی جیسی نعمت کی بھی کچھ پروا نہیں کرتے اور ان میں سے بعض وقتی تو یہاں تک کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ اس آزادی سے تو غلامی بہتر تھی۔

یہ صورتِ حال خواہ کتنی ہی افسوسناک ہے اور یہ حقیقت خواہ کتنی تلخ ہو لیکن یہ بہرحال ایک امرِ واقعہ ہے جسے ملک و ملت کا کوئی خیر خواہ نظر انداز نہیں کر سکتا۔ خواب و خیال کی دنیا میں رہنے والے جو چاہیں کہتے رہیں لیکن وہ لوگ جو ایوانوں اور محلات میں رہنے کی بجائے عوام کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں، اُن کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں

اُن کی تکالیف اور مصائب سے پوری طرح آگاہ ہیں، اُن کے دل کی دھڑکنوں کو خود اپنے کانوں سے سنتے ہیں، وہ اس حقیقت کو پوری طرح جانتے ہیں کہ عوام کے اندر امید و رجا کی وہ کرن جس نے اُن کی حیات کو منور کر رکھا تھا وہ آہستہ آہستہ بے نور ہو رہی ہے۔ اور اس کے بے نور ہو جانے کی وجہ سے اُن کی دل کی دنیا تاریک ہو کر رہ گئی ہے۔ یہ چیز ملک و ملت کے لیے انتہائی پریشان کن ہے

کسی قوم کی تعمیر و ترقی، عقل و جذبہ دونوں کی رہینِ منت ہے۔ عقل کا نور اس کے سامنے مقصد کو روشن اور واضح کرتا ہے اور جذبات کے شعلے اُس کے اندر زندگی کی حرارت اور ولولہ پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں، جن کی مدد سے اُس قوم کے اندر حرکت نمودار ہوتی ہے، اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو ایک راہ پر لگانے کی امنگ اور آرزو پرورش پاتی ہے۔ عزم پروان چڑھتا ہے اور وہ قوم مصائب کے طوفانوں سے نبرد آزما ہونے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔

عقل کی بے نوری قوموں کے اندر فکری انتشار کی راہ ہموار کرتی ہے اور وہ آشفتہ سر ہو کر اِدھر اُدھر اندھیرے میں بھٹکنے لگتی ہیں۔ لیکن جذبات کی افسردگی قوموں کے لیے بربادی کا پیغام ہے اس کے چھا جانے کے بعد اُن کی عملی قوتیں یکسر فنا ہو جاتی ہیں، ان کے اندر کسی بلند و بالا نصب العین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے محبت اور اس کے حصول کی تڑپ باقی نہیں رہتی، ایسی قومیں پھر قومیں کہلانے کی مستحق نہیں ہوتیں بلکہ لاشوں کے ڈھیر کہلانے کی مستحق ہوتی ہیں جن کا دنیا میں وجود نوعِ بشری کے لیے خیر و برکت کا ذریعہ نہیں بلکہ عذاب کا موجب ہوتا ہے۔ اُن کے منتشر خیالات کی وجہ سے افکار و نظریات کی فضا متعفن ہوتی ہے اور اعمال کی دنیا میں خطرناک قسم کے جراثیم پرورش پانے لگتے ہیں۔

دنیائے اسلام کا فکری اور عملی انحطاط اسی افسوسناک صورتِ حال کی نشاندہی کر رہا ہے۔ ابھی یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ہم گراوٹ کی کس منزل میں ہیں لیکن یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ فکری انتشار اور عملی جمود کے اثرات ہماری سیاسی، معاشرتی، روحانی اور اخلاقی زندگی میں پوری طرح نمایاں ہو چکے ہیں۔ لوگوں کی ہمتیں ٹوٹتی نظر آتی ہیں اور کام و دہن کی لذت کے علاوہ ان کے سامنے کوئی ارفع و اعلیٰ مقصد باقی نہیں رہا۔ اگر وہ زبان سے کسی ایسے مقصد کے وجود کا اقرار بھی کرتے ہیں تو یہ اقرار صرف زبان کی حد تک ہے، اُن کا اس مقصد سے کوئی قلبی اور روحانی تعلق اور لگاؤ محسوس نہیں ہوتا اور اس کے لیے جان و مال کی کوئی معمولی سے معمولی قربانی کرنے کے لیے بھی وہ اپنے آپ کو آمادہ نہیں پاتے۔

افکار و نظریات اور جذبات و احساسات کی یہ تبدیلی کہیں یونہی محض اتفاق سے تو واقع نہیں ہو گئی۔ اس افسوسناک تغیر کے کچھ وجوہ ہیں اور ان میں ہمارے نزدیک سب سے بنیادی وجہ ہمارے اصحابِ اقتدار کی وہ غلط روش ہے جو انہوں نے اسلام کے بارے میں اختیار کر رکھی ہے۔ قیامِ پاکستان کے وقت انہیں لا الٰہ الا اللہ کے جس پُرکشش اور انقلاب انگیز نعرہ پر جمع کیا گیا تھا وہ کوئی سیاسی سٹنٹ نہ تھا۔ لوگ اس نعرے کے مضمرات سے پوری طرح واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ نعرہ ایک ہمہ گیر انقلاب کا اعلان، ایک صحت مند نظامِ زندگی کی دعوت، ایک حیات آفریں عہد کا عنوان اور تاریخ کے روشن ترین دور کی تجدید ہے۔ اس نعرہ کو لیکر انسانوں کا جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گروہ دیانتداری سے آگے بڑھے گا وہ انسانیت کے لیے سراپا رحمت ثابت ہوگا۔ اس روشن دور کے طلوع ہو جانے کے بعد فکر و نظر کی تاریکیاں دُور ہو نگی۔ انسانیت کے مقدس احساسات اور شریفانہ جذبات بیدار ہونگے ظلم و استبداد روشنی کی کرنوں کو دیکھتے ہی خود بخود دبک کر بیٹھ جائے گا، انسان پر سے انسان کا تسلط ختم ہو گا۔ انسانوں نے اُونچ نیچ کے جو غیر انسانی معیارات قائم کر رکھے ہیں وہ مٹیں گے، اُن کی سیاست میں خلوص، معیشت میں توازن اور معاشرت میں اعتدال پیدا ہو گا اور اس طرح ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں خزاں کے ایک لمبے عرصہ کے بعد فصلِ بہار آئے گی۔ لیکن جس روشن دَور کی توقع اور امید میں ہند و پاک کے مسلمانوں نے عظیم قربانیاں دی تھیں، اس کے نقوش اُبھرنے کی بجائے ماند پڑتے جا رہے ہیں اور جوں جوں وقت گزرتا ہے ان پر مغرب پرستی کی تہیں جم رہی ہیں اور اگر حالات کی رفتار یہی رہی تو کچھ عرصہ بعد ہی یہ نقوش دلوں سے بھی یکسر محو ہو جائیں گے اور آنے والا مؤرخ جب تحریکِ پاکستان کے محرکات کا تجزیہ کریگا تو وہ یہ بات برملا کہے گا کہ اس تحریک کی بنیاد تنگ نظری، تعصب اور سیاسی بصیرت کے فقدان پر تھی۔ پاکستان کا یہ سارا جھگڑا صرف چند اُونچے عہدوں کی تقسیم کا تھا۔ اس کے پیچھے کوئی مثبت جذبہ کام نہ کر رہا تھا۔ اور اسلامی نظامِ حیات کا جو نعرہ بلند کیا گیا تھا وہ سراسر ایک سیاسی فریب تھا جس سے غریب مسلمانوں کو دھوکہ دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اُس بُرے دن سے بچائے جب لوگ ہمارے مقدس احساسات اور نیک آرزوؤں اور تمناؤں اور ہماری قومی جدوجہد کی اس طرح تکذیب کرنے لگیں لیکن بحقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ اسلام سے ہمارے برسرِ اقتدار طبقے جس انداز سے انحراف کر رہے ہیں اور ان کے طرزِ عمل کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں جو بد دلی اور قنوطیت پھیل رہی ہے اس کا لازمی طور پر یہی نتیجہ رونما ہو گا۔ میں جب کبھی بھی اس حسرتناک انجام کا تصور کرتا ہوں تو کانپ اٹھتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ آخر وہ بیشمار لوگ جنہوں نے انتہائی خلوص اور ایمانداری کے ساتھ صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کی سربلندی کی خاطر تحریک پاکستان کا ساتھ دیا تھا، جنہوں نے آگ اور خون کے سمندر سے اس مقدس مقصد کی تکمیل کے لیے گزرنا گوارا کیا، جن کے سامنے جب موت کا جام لایا گیا تو انہوں نے اسے حوض کوثر کا عطیہ سمجھتے ہوئے بڑے اشتیاق کے ساتھ منہ سے لگا لیا۔ اُن کی جب ماؤں، بہنوں، اور بہو بیٹیوں کی عزت لُٹی تو انہوں نے یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دی کہ چلیے ان کی جو بے حرمتی ہوئی ہے وہ تو ہو ہی گئی لیکن خطۂ پاک میں تو ایسا کبھی نہ ہوگا۔ وہاں تو حوا کی بیٹیوں کی عزت و آبرو کی پوری طرح حفاظت اور پاسبانی کی جائے گی وہاں انہیں ہر طرح کا ذہنی سکون اور اطمینان حاصل ہوگا۔ ان کی عفت بچانے کے لیے معاشرت کے ایسے پاکیزہ قوانین نافذ کیے جائیں گے کہ کسی شریر کا طائر وسوسہ بھی اُن کے حریم عصمت کی طرف پرواز نہ کر سکے گا۔ اس قسم کی اچھی توقعات کے بعد جب لوگوں کے سامنے یہ حقیقت کھل کر آئے کہ پندرہ سال کے عرصہ میں اسی خطۂ پاک میں دو ہزار ایک سو اٹھائیس بدنصیب عورتوں کو اغوا کر کے اور انہیں مختلف اذیتیں دے دے کر اس بات پر مجبور کیا گیا کہ وہ ہوس کاروں کی ہوس کا نشانہ بنیں اور عزت و آبرو جیسی متاعِ گراں مایہ کو جو ایک شریف انسان کے لیے اُس کی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے اسے چند سکوں کے عوض بیچ کر آبرو باختہ لوگوں کے لیے سامانِ عیش فراہم کریں۔

پھر اسی خطۂ ارضی کے متعلق جب یہ روح فرسا خبر سامنے آتی ہے کہ پاکستان بننے کے بعد مسلم قوم کے اس حصار اور اُن کی امیدوں کے اس مرکز سے تین ہزار تینتیس بچوں کو ظالموں نے ماں کی محبت اور باپ کی شفقت سے محروم کیا۔ ان زندہ درگور ننھی منّی جانوں میں دو ہزار پانچ سو سترہ معصوم کلیاں بھی ہیں، جنہیں مسلنے کے لیے یہ سارا شرمناک کھیل کھیلا جا رہا ہے۔

یہ اعداد و شمار جو اوپر پیش کیے گئے ہیں انہیں کسی محنت اور تلاش و جستجو کے بعد مرتب نہیں کیا گیا بلکہ ہماری معاشرتی زندگی کے بے لاتعداد جرائم میں سے صرف ایک جرم ہے جس سے ہمارے اخبار ہر روز بھرے رہتے ہیں۔ پھر یہ وہ اعداد ہیں جو حکومت کے ریکارڈ سے اخذ کیے گئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ایک بہت بڑی تعداد اُن بے کس والدین کی بھی ہے جن بیچاروں کی پولیس اسٹیشن تک بھی رسائی ممکن نہ ہوئی۔ اور وہ اپنے بچوں کی جدائی میں اندر ہی اندر گھل گھل کر اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دیتے ہیں۔

مایوسی واقعی ایک بہت بڑا گناہ ہے، سنسنی خیز باتیں کرنا فی الواقع ملک و ملت کی کوئی خیر خواہی نہیں، لیکن حقیقتِ حال کو یکسر جھٹلا کر محض برسر اقتدار طبقوں کو خوش کرنے کی غرض سے یہ کہتے چلے جانا کہ یہاں ہر طرح خیریت ہے صرف آپ کی خیریت خداوند تعالیٰ سے نیک مطلوب ہے، یہ ایک ایسا شرمناک جرم ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ کے دربار میں قیامت کے دن جو رسوائی ہوگی وہ تو بہر حال ہوگی لیکن تاریخ بھی ہمارے اس جرم کو کبھی معاف نہ کرے گی۔ حقیقتِ حال سے یہ احمقانہ چشم پوشی اور حقائق سے یہ مجرمانہ تغافل حالات کو رُو بہ اصلاح نہیں کرتے بلکہ ان کے اندر مزید بگاڑ پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

ہم یہ بات کسی عداوت کے جذبہ سے نہیں بلکہ برسر اقتدار طبقہ کے ساتھ محض جذبۂ خیر خواہی سے کہتے ہیں کہ خدارا اپنی آنکھیں کھول کر دیکھو کہ کیا دُور دور تک بھی کہیں روشنی کے نشانات ملتے ہیں اور کیا اس بات کی تم نے کوئی امید باقی چھوڑی ہے کہ ہم یہ سمجھ کر کچھ دیر کے لیے خاموش ہو جائیں کہ اس تاریکی کے پیچھے سے اسلام کا آفتاب جلوہ گر ہوگا۔ ماحول پہ ہر طرف تاریکیاں چھا رہی ہیں۔ امیدوں کے ستارے جو مدتِ دراز سے ہمارے سامنے جھلملا رہے تھے وہ ایک ایک کر کے ڈوب رہے ہیں۔ ہماری تمناؤں اور آرزوؤں کی کشتیاں یکے بعد دیگرے مخالفتوں کے طوفانوں کی نذر ہو رہی ہیں۔ ان حالات کو جانتے بوجھتے اگر ہم یہ کہتے رہیں کہ یہاں سب کچھ ٹھیک ہے اور اندیشہ کی کوئی وجہ نہیں تو یہ رجائیت نہیں بلکہ ابلہ فریبی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قسم کی رجائیت سے جس کے ڈانڈے حماقت اور بیوقوفی سے ملتے ہوں، محفوظ رکھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس ملک پر جو دن بھی آتا ہے وہ غریبوں اور بے کسوں کے لیے کوئی خوشی اور مسرت کا پیغام نہیں لاتا بلکہ اُن کی پریشانیوں میں اضافے کی خبر لاتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی ملک کے عوام کے لیے دنیاوی اسباب میں سب سے بڑا سہارا اُس ملک کی عدلیہ ہوتی ہے۔ یہ وہ آخری پناہ گاہ ہے جس کے سایہ میں ظلم سے ستائے ہوئے لوگ آکر سکون حاصل کرتے ہیں۔ دنیا کے ہر مہذب ملک میں عدلیہ کو ہر قسم کی سیاسی کشمکش سے بالاتر رکھا جاتا ہے تاکہ لوگوں کا اس کے بارے میں اعتماد کہیں متزلزل نہ ہونے پائے۔ اگر ان کا اس آخری سہارے پر بھی بھروسہ باقی نہ رہے تو پھر وہ اپنے مفادات اور حقوق کی حفاظت اور اپنے مستقبل کے متعلق قطعی طور پر مایوس ہو جاتے ہیں۔ یہ عدالتیں درحقیقت پریشان حال لوگوں کی آخری امید اور جور و جفا کے خلاف آخری ڈھال ہوتی ہیں۔ ہمارے ملک کی اونچی عدالتوں نے بڑے نامساعد حالات میں یہ مقدس فرض سرانجام دیا ہے۔ ان کے ساتھ ہماری بڑی اچھی روایات وابستہ رہی ہیں۔ ان کی موجودگی کی وجہ سے اس ملک میں بپھرا ہوا استبداد ماضی میں بے لگام نہیں بن سکا اور جب کبھی اس نے حد سے بڑھنے کی ناپاک کوشش کی تو ان عدالتوں نے اُسے نہایت احسن طریق سے روکا۔ لیکن اب حالات نے جو نئی کروٹ لی ہے اور جس طریق سے بعض لوگوں کو سیاسی رشوت کے طور پر ان عدالتوں کے اونچے مناصب بانٹے جا رہے ہیں اُس سے نہ صرف عدلیہ کا وقار ختم ہوگا بلکہ عوام کو ان پر جو غیر معمولی اعتماد ہے اُسے بھی سخت صدمہ پہنچے گا اور اس وجہ سے اُن کے اندر مزید بددلی اور مایوسی پیدا ہوگی ؎

وہی قاتل، وہی شاہد، وہی منصف ٹھیرے
اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر؟

جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ نے اس صورتِ حال کے متعلق جس تشویش کا اظہار کیا ہے، وہ حالات کی بالکل صحیح صحیح نشان دہی ہے اور اس ملک کے ہر بہی خواہ کو مضطرب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے والی ہے۔ شوریٰ نے اپنی قرارداد میں بڑے واشگاف الفاظ میں کہا ہے:

"ایک مدت سے ہمارے ہاں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ قانون پاس کرتے ہوئے بالعموم ایک دفعہ اس مضمون کی رکھ دی جاتی ہے کہ اس قانون کے تحت جو احکام جاری ہوں ان کو کسی عدالت میں زیرِ بحث نہیں لایا جا سکتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ روز بروز عدالتوں کو انصاف طلب معاملات سے بے دخل کیا جا رہا ہے۔

جمہوریت کی بہت سی مسلّمہ روایات توڑی جا رہی ہیں جو حاکمانِ عدالت کو غیر جانب دار رہ کر بے لاگ انصاف کرنے کے قابل بنتے میں مدد دیتی ہیں۔ آج ہمارے ہاں عدالتِ ہائے عالیہ کے ججوں کو اس لالچ میں مبتلا کر دیا گیا ہے کہ وہ ریٹائر ہونے کے بعد دوسرے عہدے حاصل کر سکتے ہیں بشرطیکہ انتظامیہ کو خوش رکھیں۔ یہ چیز کم از کم ایسے معاملات میں بہت سے ججوں کی غیر جانبداری کو متاثر کر سکتی ہے جس میں انتظامیہ یا اس کے با اثر لوگوں پر انصاف کی زد پڑتی ہو۔

ایک طرف منظورِ نظر ججوں کو سیاسی دائرے میں لایا جا رہا ہے اور دوسری طرف سیاسی دائرے کے لوگوں کو ان کی خدمات کے صلے میں عدالتی عہدے عطا کیے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد آخر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ عدالتیں سیاست بازی کے اثرات سے محفوظ رہ سکیں اور ان کا وقار و اعتبار برقرار رہ سکے۔ افسوس ہے کہ ان حالات نے ہمارے عدالتی نظام کو متاثر کرنا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں ان کے نہایت ہی بُرے اثرات پہلی بار اُبھر کر سامنے آئے ہیں۔ اب صاف محسوس ہونے لگا ہے کہ انتشار کا وہی روگ اس شعبے میں بھی آگھسا ہے جو ملک کے دوسرے شعبوں میں پھیل رہا تھا۔

© rasailojaraid.com